جدیدیت اور مابعد جدیدیت۔۔۔نظری مباحث

مجاہد حسین، لیکچرار گورنمنٹ وارث شاہ ڈگری کالج جنڈیالہ شیر خاں، شیخوپورہ

ABSTRACT

Modernism is an important critical trend. It took birth from the decline of progressive movement in Urdu. In Urdu literature, this trend got flourished after the division of Sub-continent. Modernism actually indicates the change that bursts out breaking the shackles of tradition. In literature and arts, modernism expresses itself through rationalism but it concentrates on technic and the art. However, instead of restricting itself on modernity, it focuses on thought process and the essence of feelings. The essence that enables a writer to dive into the futuristic realms besides probing into the prevailing realities.

جدیدیت ایک اہم تنقیدی رجحان ثابت ہوا ہے۔ بین الاقوامی منظر نامے پر جدیدیت کا آغاز بہت پہلے ہوا عالمی سطح پر جدیدیت کا خاتمہ ۱۹۴۰ء تک کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ۱۹۳۰ء کی دہائی میں حلقہ ارباب ذوق اور میراجی کے دور میں جدیدیت کا پرچار شروع ہوا جب انتظار حسین، ناصر کاظمی اور راشد وغیرہ نے تحریریں لکھیں۔ جدیدیت کا آغاز تقریباً ترقی پسند تحریک کے زوال کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی اردو میں یہ رجحان سر اٹھانے لگا۔

ترقی پسند تحریک کے عروج کے ساتھ ہی تقسیمِ برصغیر کا کرب انگیز واقعہ رونما ہوا۔ موضوعات میں ہجرت، درد و کرب، پناہ گزین کیمپوں کی روداد اور دیگر مسائل شامل ہوتے گئے۔ حالات معمول پر آنے میں ایک عرصہ لگا اردو افسانہ ترقی پسند تحریک کا مرکز و محور رہا، آہستہ آہستہ اجتماعیت اپنا اثر کھونے لگی انسان خود کو تنہا سمجھنے لگا ایسے حالات میں لکھاری کو ترقی پسندی کے جامد ماحول سے گھبراہٹ اور اکتاہٹ کا احساس ہونے لگا۔ جنگ، امن، انقلاب جیسے الفاظ ذہنوں پر ناگوار گزرنے لگے، خارجی عوامل انسان کے باطل کو بے چین کرنے لگے۔ اکتاہٹ، اجنبیت، غیر مانوسیت، بے چینی و بے قراری، انقلاب آفرین نعروں کی گھٹن اور حبس بے جا کے شکنجے میں مقید فرد کی فردیت اور اس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔

بقول ڈاکٹر اسلم جمشید پوری:

> ''ان حالات میں نئی نسل کے ذہن میں روایت سے انحراف کے جراثیم کلبلانے لگے ایک ایسے ادبی رجحان کی تلاش شروع ہوئی جس میں فرد کی فردیت کو اولیت حاصل ہو جس میں خارجی عوامل کے اثرات سے انسان کے اندرون کا اظہار بھی ہو جس میں کوئی نعرہ بازی، کوئی فارمولا، کوئی منشور نہ ہو، تخلیق کار آزاد ہو اس کا ذہن ہر دباؤ سے پاک ہو، نئی نسل کی اس خواہش کے عین مطابق جدیدیت کا رجحان سامنے آیا''۔[1]

جدیدیت ابتداء میں پس منظر میں رہ کر اپنے قدم جمانے کے لیے کوشاں رہی لیکن جب اس نے اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا پھر طاقت کے ساتھ ادبی منظر نامے پر رونما ہو کر ترقی پسند تحریک کے مقابل کھڑی ہوئی اور ادب کو نیا رخ دیا۔ اردو میں جدیدیت کا زمانہ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں شروع ہوا۔ ''ماوراء'' ۱۹۴۰ ''نقشِ فریادی'' ،۱۹۴۱' میراجی کی کتابیں ۱۹۴۰ء کی دہائی میں منظر عام پر آئیں یہ جدیدیت کا آغاز تھا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں لسانی تشکیلات، نئی شاعری کی تحریک چلی جسے افتخار عارف، انیس ناگی، تبسم کاشمیری نے چلایا جو جدیدیت کی انتہائی شکل تھی۔ ۱۹۶۰ء میں افسانے میں جدیدت کا آغاز ہوا، مغرب میں جدیدیت کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ عالمی سطح رجدیدیت کا خاتمہ ۱۹۴۰ء تک زمانہ کو سمجھا جاتا ہے۔ جدیدیت پسندوں کے خیال میں انسانوں کی زندگی سے

متعلق بہت عمدہ رائے نہیں ہے۔ڈاکٹر سہیل احمد خان لکھتے ہیں:

> ''جدیدیت پسندوں کے خیال میں انسانوں کا مقدر یہی ہے کہ ایسی حالت میں زندگی گزاریں جو سماجی بلکہ وجودی لحاظ سے ٹوٹ پھوٹ چکی ہو اور ساتھ ہی اس عذاب سے جان چھڑانے کی آرزو بھی پالتے رہیں۔۲

ان پر فرائیڈ کا اثر نظر آتا ہے کیوں کہ انھوں نے لکھنے کی توجہ معروضی دنیا کی بجائے موضوعی واردات کی طرف پھیر دی باطنی دنیا کی جلوہ گری کے سامنے ظاہری دنیا کی رونق ماند پڑ گئی۔جدید ادب میں پہلا اثر فرد پر تھا اور فرد کے خود مختار ہونے پر تھا۔جدیدیت جس فرد کی بات کرتی تھی اس فرد کو وہ خود مختار سمجھتی تھی۔اس فرد کا انحصار معاشرے پر نہ تھا، معاشرتی رسوم کا وہ پابند نہ تھا۔جدیدیت انسان کی مرکزیت کی قائل ہے۔ضمیر علی بدایونی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''جدیدیت قائم ہے اپنے تصورِ انسان پر جس کی ابتداء نشاۃ ثانیہ کی انتقادی سوچ سے ہوتی ہے۔''انسان مرکزیت'' اس نظامِ فکر کی روح ہے جسے ہم انسان پرستی کہہ سکتے ہیں۔انسان پرستی کے دور میں علم الانسان سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے یہاں تک کہ ایذرا پاؤنڈ کو کہنا پڑا کہ ادب کا کام یہ ہے کہ وہ بتلائے کہ انسان کیا ہے یعنی ادب ایک جمالیاتی میدان ہے جس میں ہم انسان کا مطالعہ کرتے ہیں۔جدیدیت کی ساری لہریں اِسی انسان پرستی کی فضا سے گزرتی ہیں، آرٹ اور فلسفے کی ساری تحریکیں دراصل اسی بنیادی فکر کی توسیع ہیں۔''۳

اگر بغور دیکھا جائے تو آرٹ اور فلسفے کی ساری تحریکیں دراصل اسی بنیادی فکر کی توسیع ہیں۔جدیدیت دراصل روایت کے باطن میں پیدا ہونے والی تبدیلی کی نشاندہی کرتی ہے۔ادب اور فنونِ لطیفہ میں جدیدیت اپنا اظہار عقل پرستی کے ذریعے کرتی ہے لیکن اس عقل پرستی کا نقطہ عروج عقل گریز انسان کی پیدائش ہے۔

جدیدیت تکنیک اور فن سے تعلق رکھتی ہے۔یہ تکنیک اور فن کی مہارتوں میں جدت کی بجائے زیادہ تر خیالات وافکار سے تعلق رکھتی ہے۔اس کا تعلق طرزِ احساس سے ہے وہ طرزِ احساس جس کی وجہ سے ادیب حال کے معاملات کے ساتھ ساتھ مستقبل بینی سے بھی کام لیتا ہے۔جدیدیت ایک الگ اور منفرد انداز میں سوچنے کا نام ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ جدیدیت کسی باقاعدہ مینی فیسٹو کی حامل نہیں ہے اس کے تعقلات میں اس نوع کی قطعیت نہیں ہے جو اس کی حریف فکر ترقی پسندی میں پائی جاتی ہے۔ترقی پسند فکر کا سرچشمہ مارکس اور اینگلز کا فکری ماڈل ہے، جب کہ جدیدیت نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور رفتہ رفتہ پروان چڑھی ہے۔اس میں چند در چند علمی نظریوں، نفسیاتی مکاشفوں، تہذیبی تبدیلیوں،

فلسفیانہ نکتوں اور ادبی رجحانات کی آمیزش ہوئی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں
کہ جدیدیت میں مرکزیت ہے۔''[۴]

جدیدیت ہمہ صفت انسان کے تصور کو رد کرتی ہے اس کا تعلق ہیرو سے نہیں اینٹی ہیرو سے ہے اسے اپنی مجبوریوں، کمزوریوں اور نارسائیوں کا شعور بھی ہے اس کے اضطراب و اضمحلال کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنی لاعلمی کا علم بھی رکھتا ہے۔ اردو میں مسعود اشعر کے افسانوں میں وجودیت اور جدیدیت کے نقوش ملتے ہیں ان کا افسانہ ''دُکھ جومٹی نے دیے'' اس حوالے سے ایک بے مثال افسانہ ہے۔ اس کے علاوہ شاعری میں جدیدیت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ جدیدیت کا اثر اب ٹوٹ چکا ہے اس کی جگہ اب مابعد جدیدیت نے لے لی ہے جو انگریزی اصطلاح Post Modernlism کا ترجمہ ہے۔ زمانی طور پر جدیدیت کے بعد کا زمانہ، تحریکیں، ادبی رجحانات اور تنقیدی فکر جو جدیدیت کے بعد آئی اسے مابعد جدیدیت کہا جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت بطور ایک تنقیدی فکر کے جدیدیت کے بعد آئی مغرب میں اس کا آغاز ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ہوا ہمارے ہاں مابعد جدیدیت کا آغاز ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ہوتا ہے۔ مابعد جدیدیت کا جدیدیت سے تاریخی اور فکری تعلق ہے لیکن مابعد جدیدیت کا دائرہ کار اس سے وسیع ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ مابعد جدیدیت کے آغاز کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

''مابعد جدیدیت سے اردو تنقید کا تعارف نوے کی دہائی میں ہوا، مگر مابعد
جدیدیت کے مباحث کے لیے سازگار فضاء قائم کرنے کا کام ساختیات نے
اَسی کی دہائی میں انجام دے رکھا تھا جب ہمارے ہاں ساختیات پر بحث و
گفتگو ہو رہی تھی تو مغرب میں مابعد جدیدیت پر مکالمہ اپنے عروج پر تھا
یوں ہمارے ہاں مابعد جدیدیت سے وابستہ مسائل و مباحث نسبتاً تاخیر سے
آئے اور کچھ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ یہ مغرب کے چبائے ہوئے
نوالے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر ثقافت میں نئے مباحث کے شروع اور قائم
ہونے کا ایک خاص وقت ہوتا ہے۔''[۵]

مابعد جدیدیت میں ادب، آرٹ، فنِ تعمیر، موسیقی، عمرانیات، سیاست، مذہب، فیشن جیسے موضوعات اور شعبے شامل ہیں۔ مابعد جدیدیت ثقافت کو زیادہ موضوع بناتی ہے کسی ملک و قوم کی روایت، زندگی اور عادات سے ثقافت صورت پذیر ہوتی ہے۔ مابعد جدیدیت کی رو سے کوئی بھی ادب ہو وہ اپنی ثقافت کا عکاس ہوتا ہے۔ لہٰذا ادب کو اسی تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ مابعد جدید تنقید میں مطالعے کا طریق کار اور مقصد آئیڈیالوجی اور اقدار سے وابستہ ہے یعنی کسی بھی متن کا مطالعہ مائیکرو میکرو، یک زمانی ہو یا دو زمانی، نفسیاتی ہو یا سماجی قدر یا آئیڈیالوجی کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس اندازِ تنقید میں زندگی کے مختلف شعبوں اور معاشرے کے مختلف نظریات کو مدنظر رکھ کر ادب کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے اسی لیے یہ ایک وسیع اندازِ نقد ہے اس میں انتہا پسندی اور اجارہ داری کو کوئی دخل نہیں بلکہ حقیقت کو ایک سے زیادہ زاویوں سے سمجھا جاسکتا ہے لیکن یہ متنوع صورتِ حال کو دریافت نہیں کرتی اسی لیے مابعد جدیدیت نے جدیدیت کے نظریات کو وسعت بخشی، اس حوالے سے ابوالکلام قاسمی یوں رقم طراز ہیں:

''تاہم مابعد جدیدیت کی ادبی اور ثقافتی اصطلاح حتمی طور پر جدیدیت کے
خلاف کسی ردِعمل کو سامنے نہیں لاتی بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ جدیدیت کے زیر
اثر اُبھرنے والے بعض رویوں نے جو ادب تخلیق کیا وہ بھی بعد میں مابعد
جدیدیت کہلایا۔[۶]

جدید ادب میں پہلا اثر فرد پر تھا اور فرد کے خود مختار ہونے پر تھا۔ جدیدیت جس فرد کی بات کرتی تھی اس فرد کو وہ خود مختار سمجھتی تھی اس فرد کا اظہار سماج پر نہ تھا، سماج کے رسوم کی پابندی کرنے پر وہ مجبور نہ تھا لہٰذا جدیدیت میں باغیانہ رویہ پایا جاتا ہے۔ پرانی روایات اور اصناف کو ترک کر دینا یہ جدیدیت کی روش رہی ہے اس کے نتیجے میں بیگانیت اور تنہائی آئی کیوں کہ فرد جب معاشرے سے تعلق توڑتا ہے تو تب تنہائی آتی ہے جدیدیت میں فرد سمجھتا ہے کہ وہ ایسی دنیا میں آ گیا ہے جہاں کوئی اس کی زباں نہیں سمجھتا۔ مابعد جدیدیت نے جدیدیت کے ان تصورات پر تنقید کی۔ مابعد جدیدیت نے کہا کہ یہ نظریہ غلط ہے کہ فرد خود مختار ہے ان کے پاس دلیل یہ تھی کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو اپنی منفرد اور جداگانہ زبان لے کر پیدا ہوتا ہے۔ سب معاشرے کی زبان لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ جب جدیدیت کے تحت آدمی کہتا تھا کہ وہ منفرد ہے اور زبان وہی لوگوں کی اختیار کر لیتا ہے تو اس کی انفرادی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے روبینہ شاہین یوں رائے دیتی ہیں:

> ''مابعد جدیدیت کا تعلق معاشرے کی ثقافت سے ہے اسی لیے اس میں نظریات کی کثرت موجود ہے اس کا کوئی ایک مستند متن نہیں بلکہ یہ مرکزیت کے خلاف ہے یہ لامرکزیت اور تکثیریت کا پرچار کرتی ہے۔ مابعد جدیدیت نے اسی لیے معروضی صداقت پر سوالات اٹھائے اسی وجہ سے بعد میں آنے والے تمام نظریات میں ہمیں معروضیت کی صداقت دکھائی دیتی ہے چوں کہ اس نے مقامی اور تہذیبی حوالوں سے متن کے تجزیئے پر زور دیا اسی لیے اس میں داستانوں، نسلی قصوں اور دیومالاؤں کی معنویت بھی بڑھ گئی۔''[۷]

مابعد جدیدیت نے جو زبان کا جواز دیا ہے اس حوالے سے کہتی ہے کہ زبان میں جو تمام اسمائے ضمیر ہوتے ہیں (ضمیر فاعلی، ضمیر مفعولی) نام اس لیے رکھتے ہیں کہ نام کے اندر معنی کی اہمیت ہوتی ہے۔ مابعد جدیدیت کے نقطہ نظر کے مطابق انسان خود مختار نہیں کیوں کہ زبان پر ساری زندگی اس کا اظہار رہتا ہے۔ مابعد جدیدیت میں بین المتونیت پائی جاتی ہے۔ مابعد جدیدیت نے کہا کہ ادب میں مصنف زیادہ اہم نہیں ہے کیوں کہ خود مصنف کی شناخت خود اپنے زمانے کے نظریات، علم اور بیانیہ پر منحصر ہوتی ہے اگر مصنف دوسروں پر انحصار کر رہا ہے تو لہٰذا وہ خود مختار نہیں ہے۔ مصنف اہم نہیں ہے چوں کہ وہ خود مختار نہیں ہے، مابعد جدیدیت یہ کہتی ہے کہ مصنف کی موت واقع ہو جاتی ہے ادب میں ہمارے لیے مصنف اہم نہیں ہے بلکہ متن زیادہ اہم ہے۔ مصنف خود اہم نہیں ہے بلکہ جن چیزوں کی پیداوار ہے وہ اہم ہیں جدیدیت کے نزدیک مصنف دنیا جہاں سے الگ نہیں، جو زمانے سے آگے نہیں ہے۔ مابعد جدیدیت کہتی ہے کہ ہر شے اپنے زمانے سے آگے نہیں ہوتی وہ اپنے زمانے کے کلچر سے وابستہ ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی اپنے زمانے سے پیچھے نہیں ہوتا۔ مابعد جدیدیت نے مصنف کے پیغمبرانہ منصب کو معزول کیا۔ کلامیہ، نقطہ ارتقاء یہ سب باتیں مابعد جدیدیت کا موضوع ہیں۔ مابعد جدیدیت کے تناظر میں روایت کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ فرماتے ہیں:

> ''مابعد جدیدیت کسی ایک وحدانی نظریئے کا نام نہیں بلکہ مابعد جدیدیت کی اصطلاح کا احاطہ کرتی ہے مختلف بصیرتوں اور ذہنی رویوں کا جن سب کی تہہ میں بنیادی بات تخلیق کی آزادی اور معانی پر بٹھائے ہوئے پہرے یا اندرونی اور بیرونی دی ہوئی لے کو رد کرنا ہے یہ نئے ذہنی رویے نئی ثقافتی اور تاریخی صورت حال بھی ہے یعنی جدیدیت کے بعد مابعد جدیدیت کہلائے گا لیکن اس میں جدیدیت سے انحراف بھی شامل ہے جو ادبی بھی ہے اور آئیڈیالوجیکل

بھی۔''۸

مابعد جدیدیت بیک وقت کئی روپ دھارے ہوئے ہے۔ مابعد جدیدیت میں کثرت تعداد، تنوع اور لامرکزیت کے جن عناصر کا ذکر بار بار ہوتا ہے وہ مابعد جدید فکر میں بھی موجود ہیں۔ موجودہ ثقافتی حالات میں بھی اس اعتبار سے مابعد جدیدیت کی تھیوری، صورت حال کا عکس بھی ہے مابعد جدیدیت کے ضمن میں ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ نے کچھ حالات کا ذکر کیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

میڈیا: طباعتی اور الیکٹرونک میڈیا موجودہ عہد کی مرکزی اور بنیادی طاقت ہے جو تعداد کے اعتبار سے ہی غیر معمولی نہیں اثر کے لحاظ سے بھی بے مثال ہیں۔ میڈیا متعدد اور مختلف مقاصد کے لیے متحرک ہے۔ معلومات، تعلیم اور تفریح کے حوالے سے چوں کہ کوئی بھی انسانی عمل بے مقصد نہیں ہوتا اس لیے میڈیا کے ان مقاصد کے پس پردہ بعض پوشیدہ مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔ اطلاعات اور تعلیم کے پس پردہ آئیڈیالوجی کی ترویج اور ترسیل کا مقصد ہو سکتا ہے اور تفریح کے نقاب میں اپنی ثقافت کی ترویج یا بعض کاروباری مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''میڈیا کے ذریعے ہی امیجز کی کثرت اور نظریات و آرا کی تکثیریت کا تصور
سامنے آتا ہے نیز حقیقت کے سطحی، عارضی اور اضافی ہونے پر زور بھی دیتا ہے
مابعد جدید فکر کا اصرار بھی دال (Signifier) پر ہے دال میڈیا جو بین،
سامنے اور حسی ہے میڈیا کے امیج کی طرح۔''۹

انٹرنیٹ کا شمار بھی میڈیا کی جدید شکل ہے جس کی وجہ سے زمانی اور مکانی فاصلوں کے روایتی تصورات کو ختم کر دیا ہے اور ابلاغ و رابطے اور خیالات و معلومات کی ترسیل کے عمومی طریقوں کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ اس انقلاب کے غیر معمولی اثرات، تجارت، تعلیم، ثقافت، ادب، آرٹ شخصی روابط، تفریح سب شعبوں میں دیکھے جا سکتے ہیں علاوہ ازیں انٹرنیٹ نے جغرافیائی، نظریات، ثقافتی سرحدوں کو چیلنج کیا اور ملٹی کلچر سماج کا تصور ابھارا۔

میٹروپولیٹس: شہروں کی طرف آبادی کا رجحان بڑھ رہا ہے کیوں کہ شہروں میں زندگی گزارنے کی تمام بنیادی سہولتیں موجود ہوتی ہیں۔ روزگار اور شہری آسائشوں کی کشش کی وجہ سے لوگ شہروں کی طرف اڈے چلے آ رہے ہیں یہ آبادی مختلف ثقافتی اور فکری پس منظر کی حامل ہوتی ہے جس سے شہر میں ثقافتی اور فکر مرکزیت پیدا نہیں ہوتی شہر کا استحکام ثقافت و فکر سے زیادہ انتظامی اور معاشی عوامل پر ہوتا ہے۔ شہروں میں ہونے والی بیشتر سرگرمیاں معاشی مقاصد کی حامل ہوتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ:

''چونکہ بڑے شہروں میں مقامی اور عالمی مہاجرین کثرت میں ہوتے ہیں اس
لیے ہر شہر بالائی سطح پر بین الاقوامیت کا شائبہ ابھارتا ہے مگر زیریں سطحوں پر
ہر بڑے شہر میں چھوٹے چھوٹے نسلی، وطنی، لسانی اور قومیتی گروہ وجود رکھتے
ہیں اور سرگرم ہوتے ہیں جس سے ان بڑے شہروں میں جڑوں کی تلاش ایک
اہم رجحان کی صورت اختیار کر لیتی ہے شہر کی کاروباری ذہنیت اگر شہر کو
(Dehumanize) کرتی ہے تو جڑوں کی تلاش اسے انسانی سطح سے مربوط
کیے رکھتی ہے۔''۱۰

مابعد جدیدیت consumersim پر بھی توجہ دیتی ہے۔ Consumer دنیا کی ہر چیز لینا چاہتا ہے۔ اس صنعتی معاشرے میں چیزوں کی افراط اتنی ہوئی ہے کہ اس کے بیچنے کا مسئلہ ہے۔ Consumer وہ طریقے ایجاد کرتا ہے کہ چیزوں کو کیسے فروخت کیا جائے پہلے زور تھا کہ چیزوں کو زیادہ تعداد میں پیدا کیا جائے پھر بیچنے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ صنعتی عہد میں لوگوں کی ضرورتوں کو دیکھ کر چیزیں بنائی جاتی تھیں اب پہلے ضرورتیں پیدا کی جاتی ہیں پھر

چیزیں۔خواہشات اورضروریات میں فرق ہے،خواہشات کوضرورت بنادیا گیا ہے۔Consumerاوراشیاء کی افراط یہ ساری چیزیں مابعد جدیدیت میں آتی ہیں۔ڈاکٹر ناصر عباس نیئرؔ اس حوالے سے یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''صارفیت کا براہِ راست تعلق صنعتی عہداور سرمایہ داری سے ہے صنعتی عہد کی پہلی صدی کا فکری رشتہ جدیدیت ہے۔صنعتی عہداور صارفیت کے کلچر میں تاہم فرق بھی ہے کہ اول الذکر اشیاء کی پیداوار پر،مگر آخر الذکر اشیاء کے صرف پرزور دیتا ہے شے بجائے خود اہم نہیں رہی اس کی اہمیت اس کے صرف اور معاشی قدر کے وسیلے سے ہے۔صارفیت کے کلچر نے ہر شے کو کموڈیٹی میں بدل دیا ہے۔ہر قدر،نظریے،پیشے،شخص سب پر برائے فروخت لکھ دیا گیا ہے۔''[۱۱]

اُردوافسانے میں کئی نام اُبھرے ہیں جو مابعد جدیدیت کے حوالے سے اہمیت کے حامل ہیں۔جدیدیت سے نجات اوراپنی آوازخود پیدا کرنے نیز ان کی شناخت کرانے کا حوصلہ نئے افسانہ نگاروں کے ہاں ایک روشن لکیر ہے۔انتظارحسین،نیئر مسعود،عابد سہیل،رضوان احمد،سریندر پرکاش،شوکت حیات،انجم عثمانی،انیس رفیع،رشید امجد،انور سجاد،اسد محمد خان جیسے افسانہ نگاروں کے ہاں مابعد جدیدیت کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔مابعد جدیدیت کے رجحان نے شاعری ناول اور دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ اردو افسانے پر بھی اپنے نمایاں اثرات مرتب کیے ہیں۔جن پر تفصیلی بحث ایک اور تنقیدی مضمون کا تقاضا کرتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ڈاکٹر اسلم جمشید پوری،جدیدیت اور افسانہ،دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس،۲۰۱۰ء،ص ۸

۲۔ڈاکٹر سہیل احمد خاں،ڈاکٹر سلیم احمد، منتخب ادبی اصطلاحات،لاہور: جی سی یونی ورسٹی،ص ۱۳۵

۳۔ضمیر علی بدایونی،جدیدیت اور ما بعد جدیدیت،کراچی:،فضلی سنز،۱۹۹۹ء،ص ۳۷

۴۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر،جدید اور ما بعد جدید تنقید،مغربی اور اردو تناظر میں،کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان،۲۰۰۴ء،۳۵۳

۵۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر،ما بعد جدید اطلاقی جہات،ملتان: بیکن بکس،۲۰۱۵ء،ص ۱۱

۶۔ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی،معاصر تنقیدی رّویے،علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس،۲۰۰۷ء،ص ۴۹

۷۔ڈاکٹر روبینہ شاہین،اردو تنقید کا اسلوبیاتی دبستان،لاہور: اظہار سنز،۲۰۱۶ء،ص ۱۹۵

۸۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ،ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات،لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص ۹۷

۹۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر،ما بعد جدیدیت نظری مباحث،لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،س۔ن،ص ۹۱

۱۰۔ایضاً۔۔۔۔۔ص ۹۲

۱۱۔ایضاً۔۔۔۔۔ص ۹۳